© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلامی ریاست اور بین الاقوامی معاہدے

سید جلال الدین عمری

کوئی بھی ریاست حالتِ جنگ اور حالتِ صلح دونوں سے گزر سکتی ہے۔ جنگ کے بارے میں اس کا نقطہ نظر صلح پر بھی اثر انداز ہوگا۔ اس لیے صلح کے بارے میں اسلام کے رویہ کی وضاحت سے پہلے جنگ کے متعلق اس کے نقطۂ نظر کی تھوڑی سی وضاحت مفید ہوگی۔

جنگ ایک خوفناک مہم ہے، یہ خطرات سے گھری ہوئی زندگی ہے۔ اس میں جان و مال کا نقصان ہے، اہل و عیال، خویش و اقارب اور وطن سے دوری ہے، محاذِ جنگ کی ہولناکی ہے، زخم، چوٹ، اعضاء و جوارح کی قطع و برید اور خون کی ارزانی ہے، اس وجہ سے انسان جنگ کے تصور ہی سے گھبراتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جنگیں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ سوال صرف اس کے مقاصد کا ہے۔ جنگیں ہوسِ اقتدار، ملک گیری اور فرماں روائی کی خواہش اور جذبۂ انتقام کے تحت بھی ہو سکتی ہیں اور ہوئی ہیں۔ ان سے فساد فی الارض پھیلتا اور تباہی و بربادی آتی ہے۔ اس طرح کی کسی بھی جنگ میں شرکت یا تعاون اسلام کے نزدیک انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔

اسلام نے جنگ کے سلسلے میں دو اقدامات کیے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ کو ایک بہت ہی اعلیٰ و ارفع مقصد کے تابع بنایا۔ اسے وہ جہاد فی سبیل اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ جنگ جو اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑی جائے۔ اس میں نقصانات برداشت کرنا، زخم اور چوٹ کھانا، جان دینا اور مال لٹانا سب کچھ کارِ ثواب ہے۔ اس میں جنگ کرنے والوں کی عزت و توقیر ہے، سربلندی اور ان کے بقا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمانت ہے۔ اس میں نوعِ انسانی کی فلاح اور عروج و ترقی ہے۔ خدا کے ہاں اس کا بے پایاں اجر و ثواب ہے۔ اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے اسے دوسری جنگوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ	تم پر قتال (جنگ) فرض کیا گیا ہے
وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ	اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ شاید تم
أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ	ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے
خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا	حق میں بہتر ہو اور (اسی طرح) شاید تم
شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ	ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا	حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ (کیا
تَعْلَمُونَ ۝	تمہارے حق میں بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں
(البقرہ: ۲۱۶)	ہے) اور تم نہیں جانتے۔

اس میں جنگ سے انسان کی طبعی گھبراہٹ اور خوف کا بھی ذکر ہے اور یہ وضاحت بھی کہ جنگ خیر کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ خیر کے لیے اس کی تلخیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری نفس پر شاق گزرتی ہے لیکن اسی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں یہی حال جنگ کا ہے۔ اس میں جان و مال کے خطرات اور نقصانات تو ہیں لیکن اللہ کے دین کی سربلندی اور نوعِ انسانی کی فلاح کے لیے تلوار اٹھانا اور اس کے لیے جان و مال کے نذرانے پیش کرنا انسان کی سب سے بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام نے جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ بنانے کے ساتھ دوسرا اقدام یہ کیا کہ جنگ پر امن کو ترجیح دی۔ جنگ کی اسی حالت میں اجازت دی جب کہ امن و امان کے راستے بند ہو جائیں اور سوائے جنگ کے کوئی دوسرا راستہ کھلا نہ ہو۔ اسلام ایک دین دعوت ہے۔ وہ اپنے فکر کو عام کرنا چاہتا ہے۔ امن و امان کے ماحول میں اس پر سنجیدہ غور کرنے اور اس کے پھیلنے کے جتنے امکانات ہیں حالتِ جنگ میں یہ امکانات کم تر ہو جائیں گے، اس لیے اسلام نے امن و امان اور صلح و آشتی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ دشمن مصالحت اور جنگ بندی کے لیے آمادہ ہو تو خدا کے بھروسہ پر مصالحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلی جائے تاکہ جنگ کی فضا ختم ہو اور اس کے نقصانات سے بچا جا سکے۔ احکام جنگ کے ذیل میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (الانفال: ۶۱)	اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے

اس ذیل میں یہاں تک فرمایا کہ دشمن اگر صلح کے نام پر فریب دینا بھی چاہے تو گھبرانے اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ بہرحال صلح کی پیش کش ہو تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانفال: ۶۲)	وہ اگر تمہیں دھوکا دینا چاہیں (تاکہ اس مدت میں مزید جنگ کی تیاری کرسکیں) تو اللہ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ اس نے اپنی مدد سے اور مومنین کے ذریعے تمہیں تقویت پہنچائی ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی ہے۔ جہاں صلح کا امکان ہو وہاں وہ اسی کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے جنگ و صلح کی نزاکت کو بھی سامنے رکھا ہے اور تاکید کی ہے کہ ریاست اپنی خودداری اور وقار کا سودا نہ کرے۔ کمزوری کا اظہار کرنا اور ڈر کر اور دب کر صلح کی درخواست کرنا اور اس کے لیے ہاتھ پھیلانا ایک خود مختار ریاست کی عزت و آبرو کے منافی ہے۔ اسی پس منظر میں کہا گیا ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (محمد: ۳۵)	پس تم کمزوری نہ دکھاؤ اور صلح کی درخواست کرنے لگو تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو۔

معاہدۂ صلح کا احترام

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان امن و امان اور صلح کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ یہ معاہدے جن شرائط کے تحت ہوں، ان کی پابندی ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کی ہدایت ہے معاہدہ کوئی بھی ہو اس کا احترام کیا جائے اور اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ اس نے اصولی بات یہ کہی ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ — اے ایمان والو ! عہدوں کو پورا کرو (المائدہ: ۱)

عہد شکنی اس کے نزدیک نفاق کی علامت ہے۔ مومن اس سے پاک ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے منافق کی پہچان یہ بیان فرمائی ہے :

إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ [۱] — جب عہد و پیمان کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم بین الاقوامی معاہدات کو پامال کرتی ہے تو اپنی تباہی کو دعوت دیتی ہے اور اللہ کے قانون کے تحت دشمن کے غلبے کی راہ ہموار کرتی ہے۔

ما ختر قوم بالعهد الا سلط الله عليهم العدو [۲] — جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالی لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

ریاستی عہد و پیمان یا ناجنگ معاہدے کو اسلام نے جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہو جائے تو حکم ہے کہ قاتل ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے، لیکن اگر مقتول کا تعلق محارب قوم سے ہو تو قاتل صرف غلام آزاد کرے گا، دیت نہیں دے گا۔ اس کے برخلاف مقتول معاہد قوم کا فرد ہو تو اس کے ورثاء کو دیت بھی دی جائے گی اور غلام بھی آزاد کیا جائے گا۔ (النساء: ۹۱، ۹۲)

حضرت عبداللہ بن عباس امام شعبی اور امام نخعی فرماتے ہیں کہ مقتول چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کی دیت ایک ہوگی، امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا یہی مسلک ہے [۳]

مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے

---

[۱] بخاری: کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم من عاہد ثم غدر۔ مسلم، کتاب الایمان۔

[۲] مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الوفاء بالایمان۔

[۳] قرطبی الجامع لاحکام القرآن ۵/۲۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان جو معاہدہ طے ہوا تھا، اس کی ایک شق یہ تھی کہ کوئی مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اسے دوبارہ مکہ لوٹا دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ واپس چلا جائے تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا۔ یہ دفعہ بہت سے صحابہ پر گوشاق گزر رہی تھی لیکن اس کے باوجود معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد حضرت ابو جندل بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں مجھے ان ظالموں کے درمیان واپس نہ بھیجیے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

انا قد اعطینا ھٰؤلاءِ	ہم نے لوگوں کے ساتھ جو عہد کیا ہے
القوم ما قد علمت ولا	اسے تم جانتے ہو۔ ہمارے دین میں عہد شکنی
یصلح لنا فی دیننا الغدر	اور بے وفائی درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ
وان اللہ جاعل لك ولمن	تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ مکے میں جو
معك من المستضعفین	کمزور رہ گئے ہیں ان کے لیے کوئی صورت
فرجًا ومخرجا فانطلق الی	نکالے گا، لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس
قومك [1]	واپس جاؤ۔

یہ اسلامی تاریخ کے روشن اوراق ہیں۔ بین الاقوامی معاہدہ کے احترام کی ایسی مثال کسی اور جگہ شاید ہی مل سکے۔

بین الاقوامی معاہدات کے سلسلے کی بعض اور ہدایات یہ ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کہ ایک قوم سے ریاست کا معاہدۂ امن ہو اور دوسری قوم کے ساتھ وہ حالتِ جنگ سے گزر رہی ہو۔ اس صورت میں محارب قوم کے افراد یا ان کا کوئی گروہ کسی ایسی ریاست میں پہنچ جائے، جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہے تو وہ محفوظ و مامون ہوں گے۔ وہ عملاً اس معاہدہ میں شریک سمجھے جائیں گے جو اسلامی ریاست کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لیے ان کے خلاف بھی کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ احکام جہاد کے ذیل میں فرمایا کہ جب جہاد جاری ہے تو دشمن کا ہر جگہ مقابلہ کرو اور جہاں بھی پاؤ اسے قتل کر دو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ	البتہ وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے درمیان
(النساء: ۹۰)	معاہدہ ہے (تو ان سے بھی جنگ نہ ہوگی)

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳/۳۷۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ اسلامی ریاست کا کسی ریاست سے معاہدہ ہو اور اس معاہدے میں تیسری ریاست شریک ہونا چاہے تو شریک ہو سکتی ہے۔ اسے اس کا اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ وابستہ ہونا چاہے وابستہ ہو جائے۔ دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جن کا پابند ان کا حلیف ہے۔ حدیبیہ میں جو معاہدۂ صلح طے ہوا تھا، اس میں یہ دفعہ بھی شامل تھی کہ جو قبیلہ محمدؐ کا ساتھ دینا چاہے وہ آپ کا ساتھ دے گا اور جو قریش کی رفاقت پسند کرے، اسے اس کا حق حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس پر قبیلۂ خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہیں اور بنو بکر نے قریش کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔[1]

۳۔ کوئی ریاست غیر جانب دار رہنا چاہتی ہے، وہ جنگ میں اسلامی ریاست کا ساتھ دے رہی ہے اور نہ محارب قوم کا، تو اسلامی ریاست اس سے تعرض نہیں کرے گی۔ اسی بنیاد پر اس سے معاہدہ ہو سکتا ہے، ارشاد ہے:

...... اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (النساء: ۹۰)	...... یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے دل اس سے تکلیف محسوس کر رہے ہیں کہ تم سے جنگ کریں یا اپنی قوم سے لڑیں۔ اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور لڑتے، اس لیے اگر وہ تم سے الگ رہ رہے ہیں اور لڑ نہیں رہے ہیں اور تم سے صلح کی پیش کش کر رہے ہیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر حملہ کی کوئی صورت نہیں رکھی ہے۔

مطلب یہ کہ جو لوگ یہ معاہدہ کرنا چاہیں کہ جنگ میں وہ تمہارا ساتھ دیں گے اور نہ دشمن کا تو معاہدہ کر لو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ بھی تمہارے مقابلہ میں آجاتے، لیکن جب وہ اس سے کنارہ کش رہنا اور صلح کرنا چاہ رہے ہیں تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔ اسے رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔

---

[1] حوالۂ سابق: اس معاہدہ کا حوالہ آگے بھی آ رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاہدہ کب ختم کیا جائے گا؟

معاہدہ کا دوسرا فریق اخلاص کا ثبوت نہ دے، اس کی طرف سے خلاف ورزی کے آثار ظاہر ہونے لگیں اور وہ سازش اور خفیہ تدبیریں کرتا ہوا محسوس ہو تو ریاست کو حق ہوگا کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دے لیکن اس کا صاف صاف اعلان کرنا ہوگا بغیر اعلان کیے اس کے خلاف کسی جنگی کارروائی کی اجازت نہ ہوگی۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ (الانفال: ۵۸)	اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو تم (ان سے کیے گئے عہد و پیمان کو) ان کی طرف اس طرح پھینک دو کہ معاہدے کے ختم ہونے کا تمہیں اور انہیں برابر علم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آیت میں فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ، کے الفاظ آئے ہیں۔ مشہور ماہر لغت ازہری کہتے ہیں:

المعنى اذا عاهدت قوما فخشيت منهم النقض فلا توقع بهم بمجرد ذلك حتى تعلمهم [1]	اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم کسی قوم سے معاہدہ کرو۔ پھر تمہیں اس کے نقضِ عہد کا خدشہ لاحق ہو جائے تو محض اس خدشہ کی بنا پر اس پر حملہ نہ کردو جب تک کہ تم اسے باخبر نہ کردو کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔

مطلب یہ کہ معاہدہ ختم ہو تو فریقِ ثانی اس سے بخوبی واقف ہو جائے۔ اس میں اسے کوئی شبہ نہ رہے۔ جس طرح تم پر یہ بات واضح ہے کہ اب معاہدہ نہیں رہا، اسی طرح اس پر بھی واضح ہو جائے۔ اس کے خلاف جنگی کارروائی کرنی بھی ہو تو اس کھلے اعلان کے بعد ہی کی جائے۔

حضرت معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک مدت کے لیے معاہدۂ امن تھا۔

---

[1] ابن حجر، فتح الباری ۶/ ۲۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت معاویہؓ ان کی سرکوبی کے لیے فوج لے کر روانہ ہو گئے اور یہ چاہا کہ جیسے ہی معاہدہ کی مدت پوری ہو حملہ کر دیا جائے۔ اس اثنا میں ایک شخص اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا پہنچا اور کہا اللہ اکبر! معاہدہ پورا کرنا ہوگا، دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ یہ حضرت عمرو بن عبسہؓ تھے حضرت معاویہؓ نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے "کسی قوم سے عہد و پیمان باندھا جائے تو جب تک مدت پوری نہ ہو ہرگز اسے کھولا نہ جائے اور اس پر حملہ نہ کیا جائے۔ یا یہ کہ معاہدہ کو اس طرح ختم کر دیا جائے کہ فریق ثانی کو شک و شبہ نہ رہے اور ہماری طرح وہ بھی جان لے کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے"۔ اس حدیث کے سننے کے بعد حضرت معاویہؓ اس مہم سے لوٹ آئے[۱] مدتِ صلح میں جنگ کے ارادہ سے حضرت معاویہؓ کے سفر کو بھی حضرت عبسہؓ نے معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ فریق ثانی کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہونے لگے ہوں، لیکن اگر کھلم کھلا اس کا ارتکاب ہونے لگے اور مفادِ ریاست کے خلاف اقدامات شروع ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ معاہدہ از خود ختم ہو گیا ہے۔ اب اسلامی ریاست اپنے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کی مجاز ہوگی۔ وہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کر سکتی ہے[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان نصح و خیر خواہی کا تعلق ہوگا ان میں سے کوئی بھی اپنے حلیف کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور وہ دشمن کا مل جل کر مقابلہ کریں گے[۳] لیکن اس معاہدے کی انھوں نے صریح خلاف ورزی کی۔ جنگ بدر میں مشرکینِ مکہ کو ہتھیار فراہم کیے۔ جب معاہدہ یاد دلایا گیا تو معذرت کرنے لگے کہ اس معاملے میں ہم سے چوک ہو گئی۔ دوبارہ معاہدہ ہوا لیکن جنگ خندق میں دشمنوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور حملہ آوروں کا

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام بینہ وبین العدو عہد الخ، ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغدر، مسند احمد: ۴/ ۱۱۲، ۳۸۱

[۲] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۸/ ۲۲

[۳] اس معاہدے کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ دیا[1]

جب اس طرح ایک سے دو مرتبہ ان سے عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا تو ان سے جنگ کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہے:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ	بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور
اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ	وہ ہیں جو حق کا انکار کرتے ہیں اور اس پر ایمان
لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ	نہیں لاتے جن سے تم نے معاہدہ کیا اور
مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ	وہ اپنا معاہدہ ہر بار توڑتے ہیں اور
فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝	(اس کے نتائج سے) ڈرتے نہیں ہیں۔ پس
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ	اگر تم ان کو میدانِ جنگ میں پالو تو ان کو
فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ	ایسی سزا دو کہ ان کے علاوہ جو اس
لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝	ذہنیت کے لوگ ہیں وہ بھی محتاط ہو جائیں۔
(الانفال: ۵۵-۵۷)	شاید یہ نصیحت حاصل کریں۔

یہود کی ان سازشوں کے بعد معاہدے کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا، انھوں نے اپنے رویہ سے ثابت کر دیا کہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنے میں اسلامی ریاست حق بجانب ہے۔

بعض بین الاقوامی معاہدے

رسول اللہ ﷺ نے جو معاہدے کیے وہ کئی طرح کے ہیں۔ ان کی شرائط میں بھی حسب حال فرق رہا ہے۔ بعض میں صرف امن و صلح کی بات طے ہوئی ہے، بعض میں خراج اور جزیہ جیسے مالی معاملات شامل ہیں، بعض میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا فیصلہ ہوا ہے یہاں ان میں سے چند ایک معاہدے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا۔ دونوں

---

[1] رازی، التفسیر الکبیر: المطبعۃ العامرہ، مصر ۴/۳۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاہدے ایک ہی تفصیلی معاہدے کا حصّہ تھے۔ یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں، اس کے بعض اجزا یہ ہیں:

ان یہود بنی عوف امة مع المومنین۔	بنو عوف کے یہود (اسی میں دوسرے قبائل بھی شامل تھے) مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہیں[1]
للیہود دینهم وللمسلمین دینهم	یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا۔
ان بطانة الیہود کأنفسهم	یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔
وان علی الیہود نفقتهم وعلی المسلمین نفقتهم وان بینهم النصر علی من حارب علی هذه الصحیفة، وان بینهم النصح والنصیحة والبر دون الإثم وانه لم یأثم امرء بحلیفه وان النصر للمظلوم	یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے۔ جو شخص اس صحیفے میں شامل طبقات کے خلاف جنگ کرے گا اس کے مقابلے ان کے درمیان تعاون ہوگا۔ ان کے درمیان نصح وخیرخواہی کا تعلق ہوگا۔ نیکی اور حسنِ سلوک بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے۔ کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غلط رویہ اختیار نہیں کرے گا۔ جو مظلوم ہوگا اس کی حمایت کی جائے گی۔
ان الیہود ینفقون مع المومنین ماداموا محاربین۔	جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچ کریں گے۔

---

[1] اس کا مطلب جیسا کہ علامہ ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا ہے یہ ہے کہ یہود کو جنگ کی حالت سے سابقہ پیش آئے تو مسلمان معاہدے میں مذکور شرائط کے تحت ان کا مالی تعاون کریں گے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے تو دونوں کے دین الگ ہیں، جیسا کہ بعد کے جملے سے واضح ہے۔ کتاب الاموال: ص ۱۹۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وان یثرب حرام جوفہا لأھل ھذہ الصحیفۃ	اس صحیفے میں شامل سبھی جماعتوں کے لیے مدینہ حرم ہوگا۔
وانہ ما کان بین اھل ھٰذہ الصحیفۃ من حدث او اشتجار یخاف فسادہ وان مردہ إلی اللہ عزوجل والی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]	اس صحیفے کے فریقوں کے درمیان کوئی بات ہو یا اختلاف پیدا ہو جائے جس سے بگاڑ اور فساد کا اندیشہ ہو تو معاملے کو اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہؐ کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

اس معاہدے میں رسول اللہؐ نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے یہود کو مذہبی آزادی اور حقوق کی ضمانت دی ہے اور ریاست کے تحفظ کی ذمے داری میں بھی انھیں شریک کیا ہے۔

یہود نے اس معاہدے کی پابندی نہیں کی، سازشوں میں لگے رہے اور ایک سے دو بار دشمن کا ساتھ دیا تو معاہدہ ختم کر دیا گیا اور ان سے جنگ ہوئی۔ رسول اللہؐ نے انھیں مدینہ کے حدود سے باہر نکال دینا چاہا تو انھوں نے درخواست کی کہ انھیں مدینہ ہی میں رہنے دیا جائے۔ وہ آپ کو اپنے کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کا نصف ادا کرتے رہیں گے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور فرمایا جب تک ہم چاہیں گے یہاں تمہیں رہنے دیں گے۔ اس شرط کے ساتھ وہ مدینہ میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں انھیں شام منتقل کر دیا۔[2] اس معاہدہ کی نوعیت پہلے سے مختلف تھی۔

ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر آپ کے اور ان کے درمیان صلح ہوئی، اسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدۂ صلح کی بعض دفعات کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ بعض اور دفعات یہ تھیں۔

فریقین کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی رہے گی تا کہ دونوں طرف کے

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ ۲/ ۱۱۹ - ۱۲۳، کتاب الاموال ص ۱۹۵ - ۱۹۷

[2] بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب اذا قال رب الارض اقرک ما اقرک اللہ الخ مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی جنگی اقدام سے احتراز کیا جائے گا اور کسی قسم کی خفیہ حرکت یا سازش نہیں ہوگی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حدیبیہ سے مدینہ لوٹ جائیں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور آیندہ آپ اور آپ کے ساتھی عمرہ کے لیے آئیں گے صرف تین دن مکے میں قیام کرسکیں گے۔ وہ غیر مسلح ہوں گے تلواریں نیام میں ہوں گی۔ کسی سوار کا جو ضروری سامان ہوتا ہے' اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔

مکّہ کے کسی فرد کو آپ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکیں گے۔ البتہ آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکّہ میں رہ جانا چاہے تو آپ اسے نہیں روکیں گے۔[1]

اس معاہدے میں بہ ظاہر فریقین کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ قریش کے ناروا مطالبہ بھی مان لیے گئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض صحابہ اس سے ناخوش اور کبیدہ خاطر بھی تھے۔ لیکن اس وقت مصالح کا یہی تقاضا تھا۔ ریاست کو بہر حال یہ حق حاصل ہے کہ وہ وقتِ ضرورت اس طرح کا معاہدہ بھی کرسکتی ہے۔ اس نے بعد میں فتح و کامرانی کے دروازے کھول دیے۔

امام ابو یوسف نے یہ معاہدہ بہت تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اس کے شروع میں فرماتے ہیں:

قد وادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشا عام الحدیبیۃ وامسک عن محاربتھم فللامام ان یوادع اھل الشرک اذا کان فی ذلک صلاح الدین والاسلام وکان یرجو أن یتألفھم بذلک علی الاسلام[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے صلح کی اور ان سے جنگ سے دست کش ہوگئے، لہٰذا امام کو یہ حق ہے کہ وہ اہلِ شرک سے مصالحت کرے، اگر اس میں دین اور اسلام کی بہتری ہو اور یہ توقع ہو کہ وہ اس کے ذریعہ انھیں اسلام سے مانوس اور قریب کرسکے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ۔ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳۰/ ۳۶۶، ۲۶۴
[2] کتاب الخراج ص ۲۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معاہدہ سے کوئی مالی پہلو متعلق نہیں ہے۔ قیام امن کے لیے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی پیش کش کی ہے اور نہ قریش ہی کی طرف سے اس طرح کی کوئی شرط رکھی گئی ہے۔ بغیر مال کے اس نوعیت کا معاہدہ وقت ضرورت ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے علامہ سیوطی شافعی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان الہدنۃ تعقد بغیر مال[1] صلح مال کے بغیر منعقد ہو جاتی ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ وقتِ ضرورت مال دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس سے ریاست کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس کے وقار کے منافی ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: "مال دیے بغیر دشمن سے صلح جائز ہے جیسا کہ حدیبیہ میں صلح ہوئی تھی۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو مال دے کر بھی صلح کی جاسکتی ہے ورنہ یہ صحیح نہیں ہے"۔ امام شافعی فرماتے ہیں: "مسلمان کمزور ہوں اور وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں تو اس سے صلح ہو سکتی ہے لیکن یہ صلح بغیر کسی مال کے ہوگی۔ کسی مسلمان کا اللہ کی راہ میں جان دینا شہادت ہے۔ اس لیے اس لیے اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اس سے بلند و برتر ہے کہ مسلمان مال دے کر دشمن سے جنگ سے باز آنے کی درخواست کرے۔ ہاں اگر دشمن کی اس قدر کثرت ہو کہ مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہو جائے کہ وہ انھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور انھیں بالکل ختم کر کے رکھ دیں گے، تو یہ ایک طرح کی ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس میں جواز کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان اگر گرفتار ہو جائے اور فدیہ دے کر ہی رہائی حاصل کر سکتا ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے[2]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ شدید ضرورت کے تحت فدیہ دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے اپنے حالات و ظروف اور امت کے مفاد کے پیش نظر اس نوعیت کا اقدام از روئے شرع ناجائز نہ ہوگا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی بڑے ضرر کو دفع کرنے کے لیے چھوٹے ضرر کو

---

[1] جلال الدین سیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۵۲۷ دارالکتب العلمیہ بیروت۔

[2] فتح الباری: ۶/ ۱۹۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت کرلیا جائے۔ اس کی ایک مثال یہ دی ہے:-

ولو احاط الکفار بالمسلمین ولا مقاومة بھم جاز دفع المال الیھم وکذا استنقاذ الاسری منھم بالمال اذا لم یمکن بغیرہ لان مفسدة بقائھم فی ایدیھم واصطلامھم للمسلمین اعظم من بذل المال [1]

اگر کفار مسلمانوں کو گھیر لیں اور ان کا مقابلہ نہ ہوسکتا ہو تو ان کے لیے مال دے کر اس (صورت حال) سے بچنا جائز ہے۔ اسی طرح مال کے بغیر ان سے قیدیوں کا چھڑانا ممکن نہ ہو تو (اس صورت میں بھی مال دے کر انھیں چھڑانا جائز ہوگا) کیونکہ قیدیوں کا ان کے ہاتھوں میں ہونا اور ان کا مسلمانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں بہت بڑی چیز ہے۔

علامہ ابوعبید کہتے ہیں کہ امام یا سربراہ مملکت اگر یہ دیکھے کہ مسلمانوں پر دشمن کے غلبے کا اندیشہ ہے اور فدیہ دے کر ہی اس سے بچا جاسکتا ہے تو اسے اس کا حق ہے۔ امام مسلمانوں کے مصالح کا نگراں ہے۔ وہ اس کے پیش نظر اس طرح کا اقدام کرسکتا ہے[2]

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ جب ضرورت تقاضا کررہی ہو اور مسلمانوں کی ہلاکت یا قید و بند کا اندیشہ ہو تو مال کے ذریعہ صلح جائز ہے، جس طرح ایک فرد فدیہ (مال) دے کر امان حاصل کرسکتا ہے اسی طرح ریاست کے لیے بھی اس کے جواز سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں ریاست کی ذلت اور توہین کا پہلو نکل رہا ہو تو بھی قتل، گرفتاری اور غلامی سے بچنا ایک بڑا مقصد ہے۔ اس کی خاطر اسے برداشت کرنا چاہیے۔ علامہ ابوعبید اور علامہ ابن قدامہ نے اپنی تائید میں حسب ذیل واقعہ پیش کیا ہے۔

جنگ خندق میں مختلف قبائل نے چاروں طرف سے ایک ساتھ مدینہ پر حملہ کردیا تھا۔ ایک مہینے کے قریب انھوں نے مدینہ کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ حالات نے

---

[1] سیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۸۷

[2] کتاب الاموال: ص ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ شدت اختیار کرلی تو آپؐ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن مری کو، جو قبیلۂ غطفان کے سردار تھے، پیش کش کی کہ اگر وہ ان قبائل کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنے لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں، تو انھیں مدینہ کی کھجور کی پیداوار کا ایک تہائی دیا جائے گا۔ یہ چیز تحریر میں بھی آگئی تھی۔ لیکن اس پر فریقین کے اور گواہوں کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں صرف اس کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اسے قطعی شکل دینے سے پہلے انصار کے سردار سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو طلب فرمایا اور ان سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم اس پر عمل کریں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے یا آپ ہمارے مفاد میں یہ چاہتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: قسم خدا کی میں نے تو تمھارے فائدے کے لیے سوچا ہے، سارا عرب ایک تیر سے تمھیں ہدف بنائے ہوئے ہے، ہر طرف سے قبائل تم پر ٹوٹ پڑے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کی قوت کسی حد تک کم زور ہو۔ ان دونوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بھی اور یہ بھی شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے بے خبر تھے۔ اس حال میں بھی کبھی انھوں نے اس کی ہمت نہیں کی کہ ہماری پیداوار میں سے کوئی کھجور کھا سکیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں یا ہم سے خرید کر کھائیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ قوت بخشی ہے، ہمیں ہدایت سے نوازا ہے، دین اسلام کے ذریعہ اور آپ کے ذریعے سربلندی عطا کی ہے تو کیا ہم اپنا مال انھیں پیش کردیں؟ ہم تو ان کے مقابلے میں تلوار اٹھائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے۔ آپ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور کہا کہ تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے تحریری اور مسودہ کو مٹا دیا اور کہا کہ وہ ہمارے خلاف جو چاہیں کریں۔[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں اگر بذریعۂ مال صلح کرنا فی نفسہ جائز نہ ہوتا تو اسے آپ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے سامنے مشورے کے لیے پیش ہی نہ فرماتے۔[2]

جنگی قیدیوں کا تبادلہ

بین الاقوامی سطح پر جنگی قیدیوں کے تبادلے اور ان کی رہائی کے لیے معاہدے ہوتے ہیں۔

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۲۳۹/۳، ۲۴۰، کتاب الاموال: ص ۱۵۸، ۱۵۹

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۴۶۰/۸، ۴۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی ریاست اس طرح کے معاہدے کر سکتی ہے۔ وہ اپنے جنگی قیدیوں کو چھڑانے کی ممکنہ حد تک کوشش کرے گی۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

یجب فداء الاسری — مسلمان قیدیوں کا چھڑانا واجب ہے

المسلمین اذا امکن — اگر اس کا امکان ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، اسحٰق راہویہ کی ہے[1]

اس سلسلہ کے بعض واقعات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

حضرت سلمہ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں جو حضرت ابو بکرؓ کی سربراہی میں بھیجا گیا تھا، ہم نے دشمن پر حملہ کیا۔ جنگ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے غنیمت میں مجھے بنو فزارہ کی ایک لونڈی دی جو بہت خوبصورت تھی۔ میں اسے لے کر مدینہ پہنچا۔ بازار میں رسول اللہؐ سے میری ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا سلمہ، یہ عورت مجھے دے دو، دوسرے روز بھی آپ نے یہی بات فرمائی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، یہ آپ کی ہے۔ میں نے اس سے کوئی جنسی تعلق نہیں قائم کیا ہے۔ یہ لڑکی آپ نے مجھ سے لی اور اس کے عوض مسلمان قیدیوں کو جو مکہ میں گرفتار تھے رہا کرایا[2]

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا ایک آدمی فدیہ میں دے کر دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا[3]

اسلامی ریاست مال کے عوض دشمن کے قیدیوں کو رہا کر سکتی ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے اسے ناپسند کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سے دشمن کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ لیکن حضرت حسن بصری اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے چالیس قیدیوں کو جو اچھے شہسوار اور تیر انداز تھے، فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق ان سے دریافت فرمایا تو کہا کہ وہ ہماری فوج کو بھی کوئی دھوکا دے سکتے تھے۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی ۸/۴۴۵

[2] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب التنفیل و فداء المسلمین بالاساریٰ۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب الرخصۃ فی المدرکین یفرق بینھم۔

[3] ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی قتل الاساریٰ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے میں نے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیا اور مسلمانوں کے درمیان شریعت کے مطابق مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اتفاق کیا۔[۱]

جو قوم جنگ نہ کرے اس سے جنگ نہ کی جائے

کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ رہے تو اسلامی ریاست اس سے خواہ مخواہ کشمکش مول نہ لے گی۔ جیسا کہ حبشہ اور ترک کے معاملہ میں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی۔

اترکوا الحبشۃ ما ودعوکم واترکوا الترک ماترکوکم[۲]

اس حدیث میں صاف کہا گیا ہے جب تک یہ ریاستیں اسلامی ریاست کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہو رہی ہیں اور اس سے الگ تھلگ اور کنارہ کش ہیں اس لیے ان سے محاذ آرائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی ریاستوں سے صلح کے معاہدے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی مرحلے میں وہ اسلامی ریاست کے خلاف مہم جوئی شروع کر دیں اور اس پر یلغار کر دیں تو ریاست کا دفاع از روئے شرع ضروری ہے۔ حملہ آور کا جواب پوری قوت سے دیا جائے گا۔

اسلامی ریاست بے شک ایک نظریاتی ریاست ہے لیکن اسے ایک جنگ جو ریاست کی شکل میں پیش کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اس نے ہر حال میں نہ تو جنگ کو لازم قرار دیا ہے اور نہ ہر ایک سے اعلان جنگ کیا ہے۔ وہ آزادیٔ فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق مانتی ہے۔ اس کے لیے اس نے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسی کے ذریعہ وہ اپنے حق میں فضا ہموار کرنا چاہتی ہے۔ حالات کے تحت اس نے جنگ و صلح کے اقدامات بھی کیے ہیں، امن و امان کے معاہدے بھی کیے ہیں اور غیر جانب دار بھی رہی ہے۔ وہ وسیع آفاقی تصور کے تحت سیاسی اقدامات کرتی ہے اور اس میں اپنے مفادات کو نظر انداز نہیں کرتی اور نہ اس کی اس سے توقع کی جا سکتی ہے۔ دنیا کی ہر ریاست اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر ہی بین الاقوامی معاہدے کرتی ہے۔ اسلامی ریاست کو بھی یہ حق ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں اپنے مفادات کی نگرانی کرے اور اس کے تحت فیصلے کرے۔ اسے اپنے مفادات کو نظر انداز کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۱] ابو عبید، کتاب الاموال ص ۱۲۲

[۲] ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب فی النہی عن تہییج الترک والحبشۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

تفسیر روض الجنان - ایک تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر کبیر احمد جائسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں نافع بن بُدیل بن ورقا خزاعی ایک مشہور صحابی گذرے ہیں۔ اُن کے اخلاف میں کچھ حضرات اپنے وطن اصلی سے ہجرت کر کے ایران آگئے۔ یہ لوگ تین شہروں نیشاپور، بیہق اور رَے میں بس گئے، جو شاخ رَے میں بس گئی تھی اُسی کے ایک گھرانے میں چھٹی صدی ہجری میں جمال الدین حسین نام کے ایک بچّے نے آنکھیں کھولیں، اُس کے والد کا نام علی اور دادا کا محمد تھا۔ تعلیم و تربیت کے تمام مراحل طے کرنے اور سنّ رشد کو پہونچنے کے بعد یہی بچہ ابوالفتوح رازی کے نام سے مشہور ہوا جس کا شمار اکابر شیعہ علماء میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ابوالفتوح رازی کا سال ولادت و وفات دونوں ضبط تحریر میں نہ لایا جا سکا۔ ہمارے زمانے کے ایک محقق ڈاکٹر عسکر حقوقی نے "تحقیق در تفسیر ابوالفتوح رازی" کے نام سے کئی جلدوں میں ایک کتاب تحریر کی ہے اُس میں انھوں نے ابوالفتوح رازی کے بارے میں بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ بکھری ہوئی معلومات کو جمع کر دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ابوالفتوح رازی کی وفات ۵۵۲ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیانی وقفے میں ہوئی ہوگی۔

اپنے زمانہ کے مشہور شیعہ عالم ہونے کے باوجود ابوالفتوح رازی کی زندگی کے حالات محفوظ نہیں ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ عوام کے مذہبی عقائد کی اصلاح کے لیے وعظ گوئی میں اپنی زندگی کا بیشتر وقت صرف کرتے اور وعظ گوئی سے جو وقت بچ رہتا اُس کو تصنیف و تالیف کی نذر کرتے۔ ان کی تصانیف کے سلسلے میں بھی محققوں کے درمیان اختلاف ہے۔ "روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن" اور "رسالۂ یوحنّا" کے بارے میں تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ یہ ابوالفتوح رازی ہی کی تصانیف ہیں۔ موخر الذکر کتاب مسئلہ امامت پر ہے اور ایک نصرانی یوحنّا کی جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لکھی گئی ہے جو مسلمان ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مذہب اثنا عشری ہی برحق ہے۔ اِن تصانیف کے علاوہ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے اُن سے منسوب دو اور رسالوں کا ذکر کیا ہے جن سے صَرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

ابو الفتوح رازی کے دو فرزندوں کے نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام شیخ صدر الدین علی تھا جو ایک متدین فرد ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔ دوسرے صاحبزادے شیخ تاج الدین محمد تھے جن کو اُن کے زمانے کے لوگوں نے "مرد فاضل و باورع" قرار دیا تھا۔ اُن کے اخلاف کے بارے میں اِس سے زیادہ کسی اور بات کا علم نہیں۔

ابو الفتوح رازی ساری عمر اپنے مولد رَے ہی میں قیام پذیر رہے اور وہیں وفات پائی۔ اُن کی قبر امام زادہ عبد العظیم حسنی کے مرقد کے جوار میں ہے۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے حدیقۃ الشیعہ کے مصنف مُلّا احمد اردبیلی (م ۹۹۳ھ) کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ جب اردبیلی کا گذر اصفہان سے ہوا تو انھوں نے مشاہدہ کیا کہ اصفہان کے لوگوں نے ابو الفتوح عجلی شافعی کے مرقد کو ابو الفتوح رازی کا مرقد سمجھ لیا ہے اور "شیعہ عوام اپنے اجداد کی عادت کے مطابق ایک سنّی صوفی کے مرقد کی زیارت کے لیے جوق در جوق جاتے ہیں"۔ یہ دسویں صدی ہجری کا ذکر ہے اب اِس طرح کی کوئی غلط فہمی اہلِ علم یا عوام کے درمیان نہیں ہے اور یہ بات مان لی گئی ہے کہ ابو الفتوح رازی اپنے مولد رَے ہی میں مدفون ہیں۔

ابو الفتوح رازی کی شہرت کا سارا دار و مدار اُن کی تفسیر روض الجنان پر ہے یوں تو اس تفسیر کے بہت سے مخطوطے دنیا کے مختلف کتابخانوں میں محفوظ ہیں لیکن اِن میں سے دو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ دونوں نسخے کتابخانۂ آستان قدس رضوی میں ہیں جن میں سے ایک کی کتابت ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء میں اور دوسرے کی ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں ہوئی تھی۔ ان دونوں مخطوطوں کی تاریخی اہمیت ہے ممکن ہے کہ اِن کی کتابت مصنف کے عہد حیات ہی میں ہوئی ہو، اگر یہ قیاس درست نہیں ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مفسر کے انتقال کے دو تین ہی برس کے بعد اِن کی کتابت ہوئی تھی۔ اِن دو مخطوطوں کے علاوہ اِس کتابخانہ میں روض الجنان کے اور بھی مخطوطے محفوظ ہیں جن میں وہ دو جلدیں خاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور سے قابل ذکر ہیں جن کی کتابت ۹۴۷ اور ۹۴۹ھ میں ہوئی تھی۔

علاوہ بریں نسخۂ مجلس شورای ملی بھی ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے جو نصف اوّل قرآن کی تفسیر ہے اگرچہ خود اس مخطوطے کی کتابت ۱۰۵۸ھ میں ہوئی ہے مگر چونکہ یہ مخطوطہ ۶۱۵ھ کے مکتوبہ ایک مخطوطہ سے نقل کیا گیا ہے اِس لیے اُس کو مصنف کے انتقال کے نصف صدی بعد کا متن قرار دیا جاسکتا ہے اور یہی قدامت اِس مخطوطے کو اہمیت کا حامل قرار دیتی ہے۔

بعد کے کتابت کیے ہوئے مخطوطوں میں کتابخانۂ سلطنتی کا نسخہ بھی شامل ہے جو چار جلدوں میں ہے اور دو الگ الگ کاتبوں نے ۱۳۰۷ھ اور ۱۳۰۹ھ میں مکمل کیا تھا۔ ایران میں روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن کا جو متن شائع کیا گیا ہے اُس کی اساس اسی مخطوطے کے متن پر رکھی گئی ہے۔

ہندوستان میں بھی ابوالفتوح رازی کی تفسیر کے دو مخطوطے محفوظ ہیں۔ ایک پٹنہ کے خدابخش لائبریری میں اور دوسرا علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں۔ موخرالذکر نصف آخر کی تفسیر ہے جس پر کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ خدابخش کے مخطوطے کے شروع کے دو صفحات غائب ہیں یہ مخطوطہ سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ کہف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے اور اِس کی کتابت ~~۷۳۴ھ~~ ۱۳۳۴ء میں ہوئی تھی یعنی محتاط اندازہ کے مطابق مصنف کے انتقال کے بچھتر سال بعد۔ سی۔ اے۔ اسٹوری کی انگریزی کتاب پرشین لٹریچر کا جو فارسی ترجمہ[1] ایران سے شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۱۱۶ پر اس مخطوطے کا ذکر ہے مگر کسی غلط فہمی کی بنا "ذخیرۂ سبحان اللہ خاں" کے مخفف کو کلمے "سبح" سے ظاہر کرنے کے "صبح" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اِن مخطوطوں کے علاوہ کم از کم دس مخطوطے اور بھی دریافت ہوچکے ہیں جو قدامت کے لحاظ سے اہمیت نہیں رکھتے اس لیے اُن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ابوالفتوح رازی کی زیر بحث تفسیر بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی برسوں میں مظفر الدین شاہ قاچار کے حکم سے شائع کی گئی تھی جس کا ذکر ڈاکٹر عسکر حقوقی نے

---

[1] موسسۂ مطالعات وتحقیقات فرہنگی، تہران، ۱۳۶۲ھ ش (۸۴ - ۱۹۸۳ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی کتاب "تحقیق در تفسیر ابوالفتوح رازی" مطبوعہ سنہ ۱۳۴۶ھ ش مطابق ۱۹۶۸ء کیا ہے، اس سنہ کے بعد سے ۱۹۸۴ تک اس کی جتنی اور اشاعتیں ہوئی ہیں اُن کا ذکر "ادبیات فارسی" (سی۔ اے۔ اسٹوری کی انگریزی کتاب پرشین لٹریچر کا اضافوں کے ساتھ ترجمہ) میں موجود ہے ہم مطبوعہ اشاعتوں کی تفصیل اسی کتاب کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ "ادبیات فارسی" کی اشاعت کے بعد کی "روض الجنان" کی اشاعتوں تک ہماری دسترس نہ ہوسکی اس لیے اس فہرست کو مکمل نہ سمجھنا چاہیے۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں قاچاری بادشاہ مظفرالدین شاہ نے فرمان جاری کیا کہ ابوالفتوح رازی کی تفسیر جو اُس وقت تک غیر مطبوعہ تھی شاہی مطبع سے شائع کی جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں مذکورہ تفسیر کو پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں مظفرالدین شاہ نے اس دنیا کو خیرباد کہا اُس وقت تک اس تفسیر کی جلد اول اور دوم شائع ہو چکی تھیں اور تیسری کی طباعت ہو رہی تھی اور ۱۷۳ صفحات چھپ چکے تھے۔ اُس وقت کے ایران کے سیاسی حالات کی وجہ سے قاچاریوں کے عہد حکومت میں اس کام کو مکمل نہ کیا جاسکا۔ جب رضا شاہ کبیر کی حکومت قائم ہوگئی اور ایران میں امن و امان کا دور دورہ ہوا تو رضا شاہ کبیر کے حکم سے اس نامکمل کام کو سنہ ۱۳۱۵ھ ش (۱۹۳۶-۳۷ء) میں مکمل کیا گیا اور چوتھی اور پانچویں جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آئیں۔ ان جلدوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء کے ایک حصّے تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد سورۂ نساء کے بقیہ حصّے سے شروع ہوکر سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہے۔ تیسری جلد کی ابتدا سورۂ یونس کے ترجمہ و تفسیر سے ہوتی ہے اور اختتام سورۂ مومنون کے ترجمہ و تفسیر پر۔ چوتھی جلد سورۂ نور سے سورۂ شعراء تک اور پانچویں جلد سورۂ زخرف سے سورۂ الناس تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔

اس تفسیر کی دوسری اشاعت دس جلدوں میں ہوئی جو سنہ ۱۹۴۱ء سے لے کر سنہ ۱۹۴۳ء تک کے عرصہ میں منظر عام پر آتی رہیں۔ ابوالفتوح رازی کی تفسیر کے اس متن کو تہران یونیورسٹی کے استاد مہدی الٰہی قمشئی[1] نے مرتب فرمایا ہے۔ اسی متن کو ۱۳۳۵ھ[2] ش مطابق ۱۹۵۶-۵۷ء

---

[1] "ادبیات فارسی" میں قمشہی لکھا ہے ہم نے چاپ دوم کے سرورق کے مطابق یہ لفظ لکھا ہے۔

[2] یہ سنہ "ادبیات فارسی" میں درج ہے جو صحیح نہیں ہے۔ چاپ دوم کی پہلی جلد فروردین ۱۳۲۰ھ ش =

© rasailojaraid.com